Journal of Religion & Society **(JR&S)**
Available Online:
https://islamicreligious.com/index.php/Journal/index
Print ISSN: 3006-1296Online ISSN: 3006-130X
Platform & Workflow by: Open Journal Systems

Bano Qudsia's Female Characters through the Eyes of Male Characters

بانو قدسیہ کے ناولوں میں عورت مردانہ کرداروں کی نگاہ میں

Shakil Ahmad
Ph.D Scholar, Departmen of Urdu Qurtuba University of Science and Information Technology Peshawar Pakistan
wisdomofheart79@gmail.com
Ijaz Ahmad Jan
Assistant professor Qurtuba University of Science and Information Technology Peshawar Pakistan

Abstract

This study examines the presentation of male characters in the novels of Bano Qudsia from a feminine point of view. The central purpose is to know whether these characters depict patriarchal dominance or the traditional masculine hierarchy has been corrupted for unorthodox masculine despotism. For this purpose, in-depth textual analysis has been carried out to bring to light the behavior, dialogue, and interpersonal relationships of the characters for understanding gender power and differences. Analysis clearly clarifies the patriarchal presentation of the characters by Bano Qudsia. Male characters in Bano's novels are independent, decision-makers, and controllers of the society that causes strengthening the patriarchal body of the society and the traditional gender roles of females are further cemented where feminine roles are only of secondary importance.

Keywords: *Dominance, independent society. Masculine hierarchy, unorthodox masculine,*

صدیوں سے ہمارے روایتی معاشروں میں اسلام کی غلط بصیرات کے نتیجے میں عورت کے لیے ایک خاص کردار متعین کیا جاتا ہے۔ جس میں وہ مرد سے کمتر، ناقص العقل اور معاشرتی دباؤ کو قبول کرنی والی ہوتی ہے۔ یہ رویہ مردانہ سماج کی دین ہے۔ یہاں عورت پدر سری نظام کے روایتی دائروں میں قید ہے۔ بانو قدسیہ کے مردانہ کرداروں کی سوچ بھی اس دور کے گہرے معاشرتی دباؤ کا نتیجہ ہے۔ مردانہ کردار عورت کو ایک مخصوص تناظر میں دیکھتے ہیں۔ یہ کردار اس بات پر یقین رکھتے ہیں ہ عورت کا بنیادی کام گھر کی ذمہ داریوں تک محدود ہے۔ ان کرداروں کی نظروں میں وہ عورت قابل ستائش ہے جو اپنی ہستی کو بھلا کر گھر بار کے لیے اپنے آپ کو قربان کرے۔ یہ کردار عورت کو ایک ایسی شے سمجھتے ہیں جن کا اپنا ذہن اور قوتِ ارادی ہے ہی نہیں۔ یہ رویہ عورت کو ایک مکمل ہستی کے روپ میں سامنے نہیں لاتا بلکہ یہاں عورت مجبور محض ہے جن کی کوئی شناخت نہیں اگر شناخت ہے بھی تو کچھ شروط شرائط کے ساتھ۔ بانو قدسیہ کے ایک ناول پر نظر ڈالیے جس کا ایک مردانہ کردار طوائف سے یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ روایتی دائرے میں رہ کر اچھی عورت کی طرح کھانا پکائے، برتن مانجھے، پاؤں دبائے اور چپ چاپ رہے۔ مرد کردار کا یہ خیال حقیقت پسندانہ تو ہو سکتا ہے لیکن درجہ ذیل بیانیہ میں بانو قدیہ کا اپنا ایک مخصوص فکری رویہ ملاحظہ کیجئے جس میں عورت کو وہ کیا پیغام دینا چاہتی ہے:

> "بس سرجی اس کا دل چاہتا تھا کہ میں شریف عورتوں کی طرح بھانڈے مانجھ کر بچے پال کر بڑوں کی عزت کر کے چھوٹوں کی گستاخیاں سہہ کر اس کے گھر میں گزارہ کروں اور ثابت کروں سب پر کہ بازار والیاں شرافت میں کسی سے کم نہیں ہوتیں۔۔۔ کچھ لوگ بڑی پٹھی مت کے ہوتے ہیں۔ پہلے تتلی پر مرتے ہیں۔ اسے پکڑنے کے جتن کرتے ہیں جب پکڑ لیتے ہیں تو پھر اسے شہد کی مکھی بنانے پر تل جاتے ہیں۔"(1)

مردانہ کرداروں کی نظروں میں وہی عورت قابل وقعت ہے جو خود کو گھر تک محدود رکھے اور چپ چاپ دکھ سہے۔ یہ کردار خواتین کو ان پدرشاہی روایات اور اقدار میں قید رکھنے کے ارزومند ہیں جو پدرسری معاشرے نے تشکیل دیئے ہیں اور جس میں عورت کا وجود بحیثیت انسان کہیں نہیں ہے۔ مردانہ کردار اصل میں ان روایتی سوچوں پر یقین رکھتے ہیں جو صدیوں سے مشرقی اور اسلامی معاشروں میں رائج ہیں۔ جس میں عورت کو گھر کے تمام افراد کی خدمت کرنا اور اپنے آپ کو بچوں کی پیدائش اور پرورش تک محدود رکھنا ہے۔ لہٰذا جو عورت اس روایتی ڈھانچے کے خلاف ورزی کرتی ہے۔ اس کو معاشرے کے باعزت اور اخلاقی حدود سے باہر کیا جاتا ہے۔

مردانہ کرداروں کے خیال میں عورت کے وجود کا بنیادی مصرف تخلیق کی قوت ہے۔ اگر کسی عورت میں تخلیق کا مادہ نہیں تو اس کا وجود بے معنی اور لاحاصل ہے۔ مردانہ کرداروں کی یہ سوچ ہمارے عمومی رویوں کی نشان دہی کرتے ہیں۔ تاہم وہ عورت کو افزائش نسل کے علاوہ ایک مکمل انسانی وجود میں دیکھنے کے روادار نہیں۔ اس سلسلے میں بانو قدسیہ کا ایک کردار عورت کے بارے میں کیا محسوس کرتا ہے ملاحظہ کیجئے:

> "ہمارے زمانے تک عورت اپنے خداداد goal سے بندھی تھی۔ بچہ عورت کا مستقبل تھا۔ اس کی پرورش اس کا نیچرل فنکشن اور بچہ ہی اس کی زندگی تھا۔ اگر بچہ بوجوہ زندگی میں فیل ہو جاتا تو پھر عورت کے لیے کوئی بھی کامیابی باقی نہ رہتی لیکن اب عورت نے بچے کو پس پشت ڈال کر اپنا مستقبل بنانے، اپنی شناخت تلاش کرنے کا عزم کر لیا ہے۔۔۔ مرد کو ہمہ وقت اپنے آپ کو مصروف رکھنے کے لیے کوئی نہ کوئی منزل تلاش کرنا پڑتی ہے۔۔۔ وہ اپنے آپ کو منوانے کے لیے جتن کرتا اور پاپڑ بیلتا ہے۔۔۔ لیکن عورت بچے کے سہارے اس کی پرورش کی پتوار پکڑ کر اس کے مسائل میں کھوئی اپنی ذات سے نجات پا لیتی ہے۔"(2)

بانو قدسیہ کے ناولوں کی خواتین کو دو خانوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ نیک اور بد عورت۔ نیک عورت قربانی دینے والی اور اپنی ذات کی نفی کرنی والی ہوتی ہے۔ نیک عورت کی توجہ کا مرکز بچہ ہوتا ہے لہٰذا پیدائش کی ذمہ داری کے ساتھ بچے کی تربیت کی ذمہ داریاں بھی عورت کے سر ہوتی ہے اگر کوئی عورت کسی بھی مقام پر ناکام ثابت ہوئی تو ندامت عورت کو ہی محسوس کرنی پڑتی ہے۔ لہٰذا عورت کا بنیادی کام بچہ پیدا کرنا اور اس کی اچھی تربیت بھی ہے۔ اس سلسلے میں بانو قدسیہ کے ایک ناول کا درجہ ذیل اقتباس ملاحظہ کیجئے:

> "چچا اپنے بھائی کی اولاد کے ساتھ اپنی اولاد کا موازنہ کر رہے تھے۔ یکدم انہیں اپنی بیوی پر خدا جانے کیوں غصہ آنے لگا تھا۔ جس نے بچوں کی اچھی پرورش نہ کی ورنہ آج وہ بھتیجے کو خدا حافظ کہنے نہ آتے بلکہ اپنے بیٹے کو دعاؤں کے ساتھ رخصت کرنے کے لیے حاضر ہوتے۔"(3)

مردانہ کردار اپنی ساری ذمہ داریاں عورت پر ڈالتے ہیں اور خود کو بڑی آسانی سے ان ذمہ داریوں سے مبرا قرار دیتے ہیں۔ کیوں کہ وہ عورت کی شناخت کو صرف گھر تک محدود رکھنا چاہتے ہیں۔ غرض بانو قدسیہ حقیقت کو وہ رنگ دیتی ہے جو پدرسری نظام کے لیے قابل قبول ہو۔

بانو قدسیہ نے مرد کو بطور محافظ اور فیصلہ ساز پیش کیا ہے۔ ان کے خیال میں مرد کماکر لاتا ہے جب کہ عورت پرورش کے لیے بنی ہے لہٰذا کفالت کی ذمہ داری کی وجہ سے وہ غالب ہے۔ اس تصور کے تناظر میں انھوں نے خواتین کے لیے کچھ مخصوص خوبیوں کو مثالی قرار دیا ہے کہ عورت ہر حال میں مرد کی فرمانبردار رہے۔ مرد چونکہ تحفظ دینے کے ساتھ تخلیق کی بھی صلاحیت رکھتا ہے اس لیے وہ پرستش کے قابل ہے۔ اس بیانیہ سے یوں لگتا ہے کہ بانو قدسیہ ہند متھالوجی کے فلسفے سے بھی متاثر ہے اس فلسفے کی رو سے مرد پرش یعنی راہنما اور علمبردار ہے۔ تخلیق پُرش کے مرہون منت ہے جب کہ عورت پراکرتی ہے۔ اس الوہی تصور کے نتیجے میں بانو قدسیہ کے ایک ناول پر نظر ڈالیے جس میں یہ لرزہ خیز بیان ملتا ہے:

> "پھول ونتی۔۔۔! لو اور ہیں۔۔۔ ہم صرف جسم کا بلاوا ہیں۔ میں نے جب بھی مدد کے لیے ہاتھ اٹھائے میرے چاہنے والوں نے مجھے اپنا عضو تناسل پکڑا دیا۔ مرد کے پاس ہمیں دینے کے لیے اور کچھ نہیں۔ مرد کی ذات بھی کسی قدر تہی دست تھی کہ وہ اس سے زیادہ اور کچھ بھی کسی عورت کو نہیں دے سکتا تھا۔ اس لیے شولنگم کی پوجا عورتوں

کا شعار رہی تاکہ مرد کی ذات کا جو حصہ ان کا ہے اس کو وہ اپنا دھرم بنالیں اور اس کی پرست سے بالآخر اپنے رب سے جاملیں۔ کیونکہ پرستش اور عبارت کے بغیر انسان اپنے خدا تک نہیں پہنچ سکتا۔ مجاز سے حقیقت کی ایک راہ تھی اور جنوبی ہند کی عورت نے بہت پہلے اپنے راستے کو پہچان لیا تھا۔"(4)

یہاں شولنگم کی پوجا پرش کا مظہر ہے جو تخلیق کی قوت رکھتا ہے۔ بانو قدسیہ کا یہ بیان واضح طور پر عورت کو یہ پیغام دے رہا ہے کہ وہ اپنی شناخت پر زور نہ دے بلکہ اپنے خواہشات کو کچل کر اپنے شوہر کے لیے ہر حال میں جل مرنے کے لیے تیار رہے۔ اس قسم کا بیانیہ واضح طور پر پدرسری معاشرتی ساخت کو مضبوط کرنے کی کوشش ہے۔

مردانہ کردار تعلیم یافتہ، پڑھی لکھی خواتین کو غلط کار سمجھتے ہیں ان کرداروں کے خیال میں تعلیم سے نسوانیت ختم ہو جاتی ہے۔ مردانہ کردار خواتین کو ایک روایتی دائرے سے باہر دیکھنے کے حق میں نہیں ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ تعلیم سے بھی نسوانیت مجروح ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں ناول "شہر لازوال، آباد ویرانے" کا ایک کردار تعلیم کے بارے میں کیا نظریہ رکھتا ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

"کالج جانے سے پہلے وہ ٹھیک ٹھاک تھی۔۔۔ ساری رعونت، خودسری، خود رائی کالج ہی کا تحفہ تھی۔ لڑکیوں کو پڑھانا ہی نہیں چاہیے۔ دادا آیا ٹھیک کہتے تھے۔۔۔ پھر یہ لڑکیاں کم رہتی ہیں، پہیلی زیادہ بن جاتی ہیں۔ اپنی جمیلہ ہی کو لو۔۔۔ منطق ہی منطق۔۔۔ الٹ پلٹ کر دیکھ لو۔ نہایت جامع کتاب ہے اور وہ نسوانیت ؟۔۔۔ وہ سرے سے مفقود۔"(5)

ان کرداروں کے خیال میں تعلیم یافتہ، ماڈرن اور خود مختار خواتین بے لگام ہوتی ہیں۔ ایسی عورتیں مرد اور عورت کے درمیان فطری فرق کو بھول جاتی ہیں۔ ناول "حاصل گھاٹ" میں ہمایوں جو کہ ناول کا مرکزی کردار ہے اس کا اپنی بیٹی ارجمند کے بارے میں خیالات ملاحظہ کیجئے:

"ارجمند سے مجھے پیار ہے، لیکن ارجمند کے رویے میں کچھ ایسی بدلحاظی یا دیانت داری ہے کہ اگر میں بلال کی جگہ ہوتا تو شاید برداشت نہ کر سکتا۔ ارجمند ہر معاملے میں اس قدر برابری کی خواہاں ہے کہ اگر اس کا بس چلتا تو جمشید کی پیدائش کا ضامن بلال ہوتا اور قیصر کو وہ جنم دے لیتی۔ نہ وہ حیاتیاتی فرق سمجھتی ہے، نہ ہی اسے مرد اور عورت کے جداگانہ رولز کی سوجھ بوجھ ہے۔"(6)

مردانہ کرداروں کا یہ رویہ ایک سماجی رجحان کی نشان دہی کرتا ہے۔ بانو قدسیہ جس عہد میں رہیں اس دور کے غالب فکری رجحانات نے بانو قدسیہ پر جینڈر رول کے حوالے سے گہرے اثرات مرتب کیے لہٰذا انھوں نے اپنے ناولوں میں ایک خاص طبقے کی پاسداری کرتے ہوئے اس قسم کے مقبول بیانیہ کو فروغ دینے کی کوشش کی ہے۔

بانو قدسیہ کا مشہور ناول "راجہ گدھ" کا مرکزی سیمی شاہ ہے۔ یہ کردار ایک اعلیٰ طبقے کا نمائندہ کردار ہے۔ سیمی شاہ ماڈرن، تعلیم یافتہ اور اپنے فیصلے خود کرنے کی عادی ہے۔ اس پرشش کردار کو بانو قدسیہ نے معتوب بنا کر پیش کیا ہے۔ سیمی شاہ کا گناہ یہی ہے کہ وہ تعلیم یافتہ، آزاد خیال اور ماڈرن لڑکی ہے۔ اس سلسلے میں ناول کا کردار قیوم سیمی شاہ جیسی لڑکیوں کو ضدی کے خطاب سے نوازتا ہے:

"یہ پڑھی لکھی لڑکیاں کتنی ضدی ہوتی ہیں۔ اپنی ضد کی راہ میں وہ اپنے آپ کو بھی تباہ کرنے سے نہیں چوکتیں۔"(7)

بانو قدسیہ کے ناولوں میں عورت میں صرف گھریلو خواتین کی عزت ہے لیکن یہ عزت بھی مشروط شرائط کے ساتھ۔ ان شرائط کے بغیر وہ شیطان اور جنس زدہ عورت تصور ہو گی۔ بانو قدسیہ جس عورت میں خود اعتمادی اور سربلندی دیکھتی ہیں۔ اسے رسوا کرنا عین ثواب سمجھتی ہیں۔ حتیٰ کہ اس کے کھانے پینے کی اشتہا کو بھی جنسی بھوک قرار دیتی ہے:

"ماڈرن لڑکی پہ بھید سمجھ گئی ہے کہ بھوک کا ڈھلاوا مرد تک یہ پیغام پہنچاتا ہے کہ اگر وہ کھانے پینے میں سرگرم ہے تو جنسی بھوک میں بھی مرد سے کم نہ ہو گی۔۔۔ وہ ایک سمبل سے اپنے تمام کوائف سمجھا دیتی ہے۔ اپنی بھوک کو نمایاں کرتے ہی آج کی لڑکی مرد کی بھوک، میں برابر کی شریک ہونے کا وعدہ کرتی ہے۔"(8)

بانو قدسیہ کے لیے وہی عورت غیر خطرناک ہے جو ان پڑھ اور روایتی دائرے کے اندر زندگی گزارتی ہے حالانکہ ان کے روایتی کردار سیمی شاہ سے دو دو ہاتھ آگے ہیں لیکن نزلہ سیمی شاہ پر گرتا ہے۔ ناول راجہ گدھ میں عابدہ جو کہ ایک نامحرم قبول کے ساتھ تنہائی میں سیر سیر مونگ پھلیاں ایک ہی نشست میں چٹ کر جاتی ہے لیکن یہ کردار بانو قدسیہ کے عتاب کا شکار نہیں بنتی کیوں کہ وہ ماڈرن اور تعلیم یافتہ نہیں ہے۔

بانو قدسیہ کی نظروں میں اس سے بھی زیادہ خطرناک عورت ملازمت پیشہ عورت ہوتی ہے۔ ان کے مردانہ کردار پروفیشنل، باشعور اور بااعتماد خواتین سے ڈرتے ہیں۔ مردانہ کردار یہ نہیں چاہتے کہ خواتین میں خود مختاری آجائے۔ ان کرداروں کا بڑا ہدف خود مختار خواتین ہیں۔ خاص کر جب وہ غیر شادی شدہ ہو۔ مردانہ کرداروں کا یہ رویہ ایک مزاحمتی ردعمل کے طور پر سامنے آتا ہے۔ ان کے خیال میں خود مختاری کا مطلب ہے کہ اب وہ کسی کے رحم و کرم پر نہیں رہیں گی۔ لہٰذا ان کی لگا میں مردوں کے ہاتھوں میں نہیں ہوں گی۔ بانو قدسیہ خواتین کے منصب کے لیے مادی ترقی اور جدت کو بالکل مسترد کرتی ہے:

"یہ تمام عورتیں لڑکیاں کسی نہ کسی طرح مردوں کے نارمل نیوکلس سے کٹی ہوئی تھیں۔ ہو سکتا ہے ان میں سے بیشتر عورتوں کو مردوں کا قرب زیادہ ملتا ہو، لیکن معاشرے کے رسمی طریقے کے مطابق وہ career گرلز تھیں۔ ایسی منیڈکیاں جن کو ہلکا ہلکا زکام ہو چکا تھا۔ وہ اعلانیہ سگریٹ پیتی تھیں۔ کماؤ سپوت کی طرح گھروں میں پیسے بھیجتی تھیں۔ ان کے بھائی چچا ماموں نہ جانے کون تھے۔۔۔ کہاں تھے اور اگر تھے تو کس حد تک ان کی زندگیوں پر اثر انداز ہو سکتے تھے؟۔۔۔ یہ سب تو چھپکلی کی کٹی ہوئی دم کی طرح گھروں میں پیسے بھیجتی تھیں۔ ان کے بھائی چچا ماموں نہ جانے کون تھے۔۔۔ کہاں تھے اور اگر تھے تو کس حد تک ان کی زندگیوں پر اثر انداز ہو سکتے تھے؟۔۔۔ یہ سب تو چھپکلی کی کٹی ہوئی دم کی طرح پھڑک رہی تھیں۔۔۔ تڑپ رہی تھیں اور اپنے اصلی رسمی نیوکلس کی تلاش میں تھیں۔"(9)

بانو قدسیہ اس تناظر میں معاشرے کے استحصالی معاشی نظام اور ہٹ دھرم نظریاتی نظام کو مضبوط کرنے والی قوتوں کی الہ کار بن کر سامنے آتی ہیں کیوں کہ یہ قوتیں نہیں چاہتیں کہ عورت گھر سے نکل کر معاشی سرگرمیوں میں کسی بھی قسم کا حصہ لے، حالانکہ اسلام کبھی بھی خواتین کی معاشی سرگرمیوں پر کوئی قدغن نہیں لگاتا۔ اسلام تو ترک دنیا کا سخت مخالف ہے جب معاشی سرگرمیوں کو چھوڑا جائے گا تو اس کا فائدہ تو سرمایہ دار، دنیادار کو ہو گا۔ وہ تو یہی چاہتا ہے کہ دنیا پر میرا غلبہ ہو۔ اسلام کے دور اول میں کئی صحابیات کے پاس بڑے بڑے کاروبار تھے۔ عطر کا سب سے بڑا کاروبار ان صحابیات کے پاس تھا۔ اسلام تو اجازت دیتا ہے کہ اگر کسی خاتون میں کوئی بھی صلاحیت ہے تو وہ اپنی صلاحیت کو کام میں لائے۔

بانو قدسیہ کا اس قسم کا رویہ خاصا متعصب ہے جو مردانہ بالادستی اور عمومی مذہبی توہمات کو ترجیح دیتا ہے۔ یہ رویہ ایک قدامت پرست پالیسی اور نظریاتی قوتوں کا حصہ ہے جو عورت کی پیداواری صلاحیت کو ہرگز تسلیم نہیں کرتا۔ اس قسم کا بیانیہ عورت کے منصب میں پیش کیا جاتا ہے۔ معاشرے کے قدامت پرست اور نظریاتی قوتیں ہر شعبہ زندگی اور خصوصاً مصنفین کی ایسی ذہن سازی کی ہے کہ وہ نہ سمجھتے ہوئے بھی کہ وہ یورپ کے لیے کام کر رہے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ گویا وہ اسلام کی

خدمت بڑی ہی روحانی انداز میں کر رہے ہیں۔ دراصل یہ ان استحصالی معاشی اور سماجی نظام کو فروغ دے رہے ہیں۔ یہ قوتیں نہیں چاہتیں کہ اسلام کا حقیقی چہرہ سامنے آئے۔

بانو قدسیہ مرد اور عورت کے رشتے کو ذاتی عناد یا مسئلہ بنا کر پیش کرتی ہے۔ ان کے ہاں وہ متوازن رشتہ سامنے نہیں آتا حالانکہ اسلام میں تو یہ رشتہ بہت متوازن اور خوب صورت ہے۔ قدرت دائرہ کار میں معاون بن کر رہے تو یہ رشتہ کافی مضبوط ثابت ہو گا۔ غلبے کا تصور تو اسلام میں ہے ہی نہیں کہ کون غالب اور کون مغلوب ہے۔ یہ تصور تو مغرب نے پیدا کیا ہے کیوں کہ سرمایہ دار کو تو اجتماعی ترقی مقصود ہی نہیں۔ بانو قدسیہ کا مسئلہ یہی ہے کہ وہ مرد اور عورت کی فطرت کو سمجھے بغیر لکھ رہی تھیں۔ ان کے ہاں اسلام کے سماجی رشتے کا حقیقی عکس سامنے نہیں آتا اور نہ ہی معاشرے میں جو ظالم نظام ہے اس کی مخالفت کرتی ہیں۔ اس لیے ان کے ہاں مرد اور عورت کا متوازی رشتہ سامنے نہیں آتا بلکہ معاشرے کا جو چلن ہوتا ہے وہ چاہیے جتنا بھی شیطانی یا ابلیسی ہے وہ ویسے سوچے سمجھے بغیر قبول کرتی ہیں اور اسے قناعت کا نام دیتی ہیں۔ ان کے کردار اطاعت و تابعداری والے ہیں۔ اس تصور سے سوسائٹی میں جو گراوٹ ہے اس کو اور زیادہ طاقت ملتی ہے۔ بانو قدسیہ چاہتی ہیں کہ عورت مرد کی دست نگر رہے۔ وہ عورت کو سماجی یا مذہبی حیثیت سے مرد کے برابر درجہ دینے کو تیار نہیں تھے۔ ان کے ہاں اچھی عورت ہمیشہ قربانی کی پتلی بن کر سامنے آتی ہے:

> "پہلی مرگئی مرنے دو۔۔۔ مناجان نہ سہی چنا جان سہی۔ کسی طلاقن بڑھاپا کا سراغ نکالو اور گھر ڈال لو۔۔۔ جب تم دوائیاں پینے لگو تو گلاس پانی کا لے کر حاضر ہو جائے۔ درد ستائے تو گرم پانی کی بوتل بنالائے۔ فجر کا الارم بجنا چلا جائے تو الارم بند کر دے۔ جھینگروں کی آواز ستائے تو پچکاری پھک چھق کر دے۔ کپڑے پکڑائے۔۔۔ بھائی شادی کر لو کسی بیوہ سے لیکن اس کے بچے نہ ہوں۔ تمہاری تنہائی کا اور کوئی علاج نہیں۔"(10)

عرض عورت ان کے ہاں تابعداری، اطاعت سے مشروط ہے جہاں وہ ایک مکمل شخصیت کے روپ میں نظر آتی ہی نہیں بلکہ صرف ایک تابع فرمان وجود بن کر رہ جاتا ہے۔ یہ وجود اپنے اوپر ہونے والے ظلم کے خلاف کوئی احتجاج نہیں کرتا۔ یہ کردار مجبور محض ہے اور اس پدر سری نظام کے خلاف آواز اٹھانے سے قاصر ہے۔

حوالہ جات

1. بانو قدسیہ، راجہ گدھ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 1984ء، ص428
2. بانو قدسیہ، حاصل گھاٹ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2018ء، ص228
3. بانو قدسیہ، راجہ گدھ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 1984ء، ص113
4. بانو قدسیہ، شہر لازوال، آباد ویرانے، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2017ء، ص27
5. ایضاً، ص282
6. بانو قدسیہ، حاصل گھاٹ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2018ء، ص50
7. بانو قدسیہ، راجہ گدھ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 1984ء، ص227
8. ایضاً، ص42
9. ایضاً، ص164
10. بانو قدسیہ، حاصل گھاٹ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2018ء، ص106